کچھ یادیں، کچھ باتیں

مولانا محمد عمران ولی
استاذ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

بروزِ جمعرات بتاریخ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۹ اگست ۱۹۹۹ء صبح ۹ بجے کے لگ بھگ آج سے ۱۳ سال قبل محبوبنا الفقید، شیخنا الکریم، استاذنا المکرّم حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہید نوراللہ مرقدہٗ نے راقم الحروف کو حضرت شہیدِ اسلام، استاذنا المکرّم فقیہ العصر شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ (۱۹۵۲ء-۲۰۰۴ء) کے مہمان خانہ میں بلاکر فرمایا کہ: ''آپ کے گاؤں میں کچھ مسئلہ درپیش ہوا ہے، غالباً آپ کے دادا جان کی طبیعت ناساز ہے (جو واقعی ناساز تھی) لہٰذا آپ یہیں (کراچی) سے وطن جائیں گے اور حضرت مفتی صاحب قندھار افغانستان سے وطن جائیں گے''۔

چونکہ حضرت والد رحمہ اللہ نے جامعہ کے ششماہی امتحانات کے اختتام پر (۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۷ اگست ۱۹۹۹ء بعد نمازِ عصر بروز منگل) قندھار افغانستان کے لئے رختِ سفر باندھا اور اگلے دن بروز بدھ بخیر وعافیت پہنچ کر حضرت مفتی شامزئی شہیدؒ کے ٹیلی فون پر اطلاع بھی دی تھی، ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ہم پر کیا افتاد آنے والی ہے اور کیا عظیم قیامت ٹوٹنے والی ہے؟۔

حضرت مولانا عطاء الرحمٰن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: آپ سب گاؤں جانے کی تیاری کریں اور تقریباً ظہر پونے تین بجے کی فلائٹ ہے، چنانچہ ہم سب استاذِ محترم مولانا عطاء الرحمٰن رحمہ اللہ کی معیت میں ''بھوجا ائیرلائن'' میں غالباً ۲ بج کر ۴۰ منٹ پر کراچی سے اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے۔

جملہ معترضہ کے طور پر عرض کرتا چلوں کہ جہاز میں جس سیٹ پر استاذنا المکرّم تشریف فرما ہوئے تو چند لمحوں بعد جہاز کے میزبانوں نے آکر استاذِ محترم سے عرض کیا کہ آپ فلاں سیٹ پر آجائیں، آپ وہاں بیٹھنے ہی لگے کہ انہوں نے فوراً کسی دوسری سیٹ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہاں تشریف رکھیں تو استاذِ محترم ذرا سا جلال میں آگئے، اپنے مخصوص اور رعب دار انداز میں ان کا

جملہ آج بھی کانوں میں گونجتا ہے کہ: ''تم لوگوں کو یہ بھی پتا نہیں کہ دو جمع دو چار ہوتا ہے''۔ بہرحال جہاز تقریباً ۶ بجے کے قریب اسلام آباد ائیرپورٹ پر اترا، وہاں مفتی ابرار صاحب پہلے ہی سے موجود تھے، اور انہوں نے آسانی کلر بچارو اور پختہ عمر سفید ریش تجربہ کار ڈرائیور کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ استاذِ محترم کی معیت میں ساڑھے ۶ بجے اسلام آباد سے گاؤں کے لئے روانہ ہوئے اور رات تقریباً ۱۲ بجے گاؤں پہنچے، جب بٹ خیلہ شہر آبائی گاؤں کی طرف گاڑی مڑی تو بندہ نے استاذِ محترم سے پوچھا کہ: استاذ جی! ہمارے والد صاحب پہنچ گئے ہوں گے؟ اس اچانک سوال پر استاذِ محترم کچھ متحیر اور مضطرب ہوئے اور بڑی مشکل سے ان کی زبان سے یہ جملہ ادا ہوا کہ: ''شاید پہنچ گئے ہوں گے''۔ مگر جب گھر میں داخل ہوئے اور لوگوں کا ہمیں دیکھ کر زاروقطار رونا دیکھا تو تب پتہ چلا کہ ہمارے سروں سے وہ عظیم سائباں ہمیشہ کے لئے اُٹھ چکا ہے، اور ہمارے والد ہمیں خدا حافظ کہہ کر ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو چکے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ آج بھی ان کے نام کے ساتھ ''رحمہ اللہ'' اور انہیں مرحوم لکھتے ہوئے قلم کا جگر شق ہو رہا ہے، کاش! وہ کچھ دن اور زندہ رہتے۔

ہائے اوموت! تجھے موت ہی آئی ہوتی

لیکن اللہ کی رضا کے آگے کون ٹھہرا ہے اور کون ٹھہر سکتا ہے؟ **یفعل مایشاء۔**

غالباً استاذِ محترم کا بھوجا ائیرلائن میں یہ پہلا سفر تھا اور وہ بھی غم و افسوس اور حسرتوں بھرا حادثاتی سفر، جس کی یہ بوجھل اور غمگین یادیں آج بھی دل و دماغ پر نقش کالحجر ہیں۔

جمعہ کے دن بتاریخ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۰ اپریل ۲۰۱۲ء استاذنا المکرم حضرت مولانا عطاء الرحمٰنؒ نے اپنی ہمشیرہ اور مخلص، محب، خادمِ خاص مولانا عرفان میمنؒ کے ساتھ ''بھوجا ائیرلائن'' ہی سے کراچی سے اسلام آباد کے لئے رختِ سفر باندھا اور استاذ جی کا یہ سفر غالباً بھوجا ائیرلائن میں دوسرا اور آخری سفر تھا اور ''بھوجا ائیرلائن'' کا یہ سفر بھی حسرتوں اور غموں بھرا ہی ثابت ہوا کہ اسلام آباد کے قریب حسین آباد کورال کے قریب بمع تمام رفقائے سفر جامِ شہادت نوش فرما گئے اور قیامت تک کے لئے ہم سے بچھڑ چکے، **إنالله وإنا إليه راجعون۔**

آغا شورش کاشمیریؒ کا مشہور مقولہ ہے: ''بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے اُٹھ جانے سے محفلیں سونی ہو جاتی ہیں یا ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخصیت ایسا خلاء پیدا کر دی جاتی ہے کہ پُر ہی نہیں ہوتا اور اگر پُر ہوتا ہے تو بڑی مشکل سے ہوتا ہے''۔

سب ہی جانتے ہیں کہ استاذنا المکرم حضرت مولانا عطاء الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ (جن کے نام گرامی کے ساتھ ''رحمہ اللہ'' لکھتے ہوئے ہاتھ کانپ اُٹھتا ہے) کے اس انحطاطی اور فکری ارتداد کے مشکل ترین اور مایوس ترین دور میں اس طرح اچانک جانے سے کیا، کیسا اور کتنا عظیم خلاء پیدا

ہوا ہے، شاید مدتوں میں بھی کبھی پُر ہو سکے ۔ استاذ جی ہی فرمایا کرتے تھے کہ: ''کوئی کسی کے خلاء کو پُر نہیں کرسکتا'' ۔ استاذ نا المکرّم جیسے جامع الکمالات اور بسطۃً فی العلم والجسم کے صحیح مصداق کا یوں اُٹھ جانا موت العالم موت العالَم کی صحیح منظر کشی کرتا ہے:

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھودیئے
ڈھونڈا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کے

ششماہی امتحانات اور سانحات

غالباً جامعہ علومِ اسلامیہ کا یہ تیسرا عجیب وغریب ششماہی امتحان ہے کہ اس کے متصل بعد عظیم سانحہ سے گلشنِ بنوری دوچار ہوا، جس طرح اس سے قبل بھی ششماہی امتحان کے بعد عظیم حادثات رونما ہوئے تھے ۔

۱۹۹۹ء بمطابق ۱۴۲۰ھ کے ششماہی امتحان کے متصل ہی جامعہ کے قدیم استاذ حضرت مفتی محمد ولی درویش نور اللہ مرقدہٗ (نگران تخصص فی الدعوۃ والارشاد) نے اچانک رختِ سفر باندھا اور ہمیں اسی طرح حیران وپریشان چھوڑ کر داغِ مفارقت دے گئے تھے ۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بتاریخ سات شوال المکرّم ۱۳۸۹ھ بمطابق ۱۹۶۹ء حضرت شیخ الحدیث مولانا نور الہدیٰ صاحب مدظلہ (مہتمم مدرسہ ربانیہ قصبہ کالونی) محدث العصر حضرت اقدس علامہ بنوری رحمہ اللہ کی خدمت میں لائے تھے اور حضرت علامہ بدیع الزمان نور اللہ مرقدہٗ متوفی ۱۹۹۹ء سے درجہ ثانیہ کے لئے جائزہ دلوا کر داخل فرمایا تھا، اس وقت حضرت درویشؒ کی عمر مبارک چھبیس سال تھی، حضرت بنوری علیہ الرحمۃ کی حیات ہی میں ۱۳۹۶ء بمطابق ۱۹۷۶ء کو جامعہ ہذا سے سند فراغت حاصل کی، دوسال تخصص فی الفقہ میں گزارے اور ۱۹۷۹ء سے ہی جامعہ میں تدریسی اور انتظامی امور کی خدمات سرانجام دینی شروع فرمائیں اور یہ سلسلہ تقریباً بیس سال جاری وساری رہا، جب انتقال ہوا تو عمر مبارک چھپن برس تھی، گویا عمر کا اکثر حصہ جامعہ ہی میں گزرا ۔ ۱۹ اگست ۱۹۹۹ء کو یہ عظیم سلسلۂ ذھبیہ اختتام پذیر ہوا اور اس وقت جامعہ میں تعطیلات ششماہی تھیں ۔

دوسرا عظیم سانحہ جو جامعہ میں امتحان ششماہی کے بعد پیش آیا، وہ فاضل نوجوان، داعی مسجد کے امام وخطیب اور جامعہ کے لائق استاذ حضرت مولانا ارشاد اللہ العباسی شہید رحمہ اللہ کی شہادت کا سانحہ تھا ۔

حضرت موصوف رحمہ اللہ نے ۱۹۹۰ء میں جامعہ سے فاتحۂ فراغ پڑھا، داعی مسجد سولجر بازار میں امام وخطیب مقرر ہوئے، جامعہ میں بھی تدریسی خدمات پر مامور تھے، صبح کو نماز فجر سے قبل مسجد کے لئے نکلے کہ ذریت ابن سباء اور منافقین وفجار کے ہاتھوں شہادت جیسی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز

ہو چلے اور یوں ان کی دینی خدماتِ جلیلہ کا سنہرا باب جمعۃ المبارک ۲۵ جمادی الاولیٰ بمطابق ۲۹ اپریل ۲۰۱۱ء کو بند ہو چکا۔ شہادت سے دو دن قبل بروز بدھ درجہ ثالثہ کی درسگاہ میں آپ رحمہ اللہ نے یہ دو اشعار طلبہ کرام کو سنائے:

جب انہی کو جان دینی ہے تو پرواہ نہ کر
موت تجھ پہ آپڑے یا موت پہ تو جاپڑے
فنافی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

تیسرا عظیم حادثہ اور سانحہ جو نہایت ہی افسوسناک، اندوھناک اور دہشت ناک ثابت ہوا، جس سے دل و دماغ ہل گئے، جس کی شدت سے آج تک دماغ سُن، قلب بے چین و مضطرب ہے۔ بروز جمعۃ المبارک بتاریخ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ء بمطابق ۲۰ اپریل ۲۰۱۲ء بوقت سوا سات بجے بعد از نماز مغرب یہ خبر پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں جنگل کے آگ کی طرح پھیل گئی کہ اسلام آباد کے قریب حسین آباد کورال کے علاقہ میں ''بھوجا ائیرلائن'' کو حادثہ پیش آیا اور اس میں سوار حضرت مولانا عطاء الرحمنؒ بمع رفقائے سفر اور تمام مسافروں کے دنیا کی قید و نفس سے آزاد ہو کر رب رحیم و کریم کے ہاں حاضر ہو گئے، اس عظیم حادثہ سے ایک قیامت تھی کہ برپا ہو گئی، جامعہ کے در و بام سوگوار ہو گئے، اساتذہ کرام کی آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں ان کے قلبی حزن و ملال کی غمازی اور نشان دہی کر رہا تھا۔ طلبہ کرام اپنے محبوب و مشفق استاذ کی اس اچانک جدائی پر حیران و مبہوت تھے، خصوصاً دورۂ حدیث کے طلبہ کرام کہ کل تک انہیں مسند حدیث پر بیٹھ کر جس محبوبیت و دل لگی سے ''قال اللّٰہ وقال الرسول'' کے مبارک الفاظ اپنے مخصوص و مترنم انداز میں پڑھا رہے تھے، آج اچانک کس دور دراز سفر پر روانہ ہو گئے اور جدائی بھی ایسی کہ آخری زیارت کو بھی نگاہیں ترس گئیں۔ بقولِ شاعر:

وقت رخصت پہ طلب کی جو نشانی تو کہا
داغ کافی ہے جدائی کا اگر یاد رہے
مری بے تاب آنکھیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں گلشن میں
صباء تو نے کہاں لے جا کے خاکِ آشیاں رکھ دی
تاوے نن زم سبا بہ راشم
میاشتی شوے تیرے ستاسبا کلہ رازینہ

آخری ششماہی امتحان

جامعہ اور شاخہائے جامعہ میں بروز منگل بتاریخ ۲۰ مارچ ۲۰۱۲ء ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

کوششاہی امتحان کا آغاز ہوا، ناظمِ تعلیمات حضرت مولانا عطاء الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ آخری پرچہ تک بنفسِ نفیس موجود رہے، کیا معلوم تھا کہ استاذ جی کی امتحان ہال میں یہ آخری موجودگی ہے اور اس کے بعد قیامت تک نگاہیں انہیں یہاں نہ دیکھ پائیں گی۔ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ امتحان گاہ میں متعین کئے گئے حلقات میں وقتاً فوقتاً چکر لگاتے اور وہاں موجود کسی بھی کرسی پر کچھ دیر تشریف فرما ہوکر کسی دوسرے حلقے کی طرف رواں ہوجاتے (كأني أنظر إليه)

امتحان کے تیسرے دن بروز جمعرات بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۲ مارچ ۲۰۱۲ء تقریباً سوا گیارہ بجے استاذ محترم نے راقم الحروف سے فرمایا کہ یہ بیس صفحات لے لیں اور ان کی تصحیح کرکے کل مجھے واپس کردیں، پھر اچانک فرمایا کہ کل تو جمعہ ہے، بیس صفحات اور لے لو اور چالیس صفحات ہفتہ کے دن واپس کردیں۔

یہ صفحات ''باقة الازهار'' (عربی) کے تھے جو دوبارہ طباعت کے لئے تیار ہورہی تھی اور استاذ جی کے زیرِ نگرانی اس کی تصحیح وترتیب کا کام ہورہا تھا۔ ہفتہ کے دن بندہ نے چالیس صفحات لاکر اسی جگہ تپائیوں پر رکھ دیئے، جہاں کبار اساتذۂ کرام کی مخصوص نشست ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمانے کے بعد خوشی کا اظہار فرمایا اور دعاؤں سے نوازا، جبکہ بذریعۂ مولانا اشرف صاحب استاذِ محترم تک یہ بات پہنچائی (کیونکہ استاذ جی کے رعب وجلال کے آگے لب کشائی کی ہمت کہاں؟) کہ اس نام سے پہلے ایک چھوٹا سا کتابچہ چھپا ہے جو کہ حضرت بنوری علیہ الرحمۃ کی مدح میں کہے گئے اشعار پر مشتمل ہے، یہ سننا تھا کہ استاذِ محترم اسی وقت امتحان ہال سے باہر صحن کی طرف ہمارے حلقہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ: آپ اس باقة الازهار کی بات کررہے ہیں جو کہ مولانا عبدالحنان دہلوی کی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: جی استاذ جی! وہی مراد ہے، تبسم فرماکر تصویب فرمائی اور فرمایا کہ اچھا کیا، تم نے بتادیا۔ صاحبِ کتاب کے سامنے یہ بات رکھ دیں گے (اور پھر اس پر بات ہوبھی گئی تھی) امتحان کے آخری دن حضرت مولانا نور الرحمٰن صاحب مدظلہ سفرِ عمرہ پر روانہ ہورہے تھے اور استاذ جی رحمہ اللہ کے ساتھ امتحان ہال میں موجود تھے، استاذ جی رحمہ اللہ نے مولانا نور الرحمٰن سے دونوں ہاتھ کھول کر معانقہ فرمایا اور سینے سے لگا کر رخصت فرمایا۔(كأني أنظر إليهما يتكلمان ويتبسمان)

عمرہ سے واپسی پر استاذ جی نے حضرت رحمہ اللہ کو اس طرح کا سفید دھاری دار رومال پیش فرمایا تھا جو ہمیشہ سے استاذ جی رحمہ اللہ اپنے کندھے پر رکھتے، کبھی بائیں بازو پر رکھ کر چلتے، اور کبھی گول کرکے مٹھی میں لے کر چلتے، تو آخری سفر میں وہی مولانا نور الرحمٰن مدظلہ والا رومال ساتھ لیا تھا جو اس حادثہ میں دیگر اشیاء کی طرح نہ جانے کہاں رہ گیا؟ دورانِ امتحان اگر سوالیہ پرچہ کے

متعلق کچھ عرض کرنا ہوتا تو استاذ محترم ہی اپنی مخصوص صاف وشفاف آواز میں لاؤڈ اسپیکر پر طلبۂ کرام سے بیان فرماتے۔ افسوس! کہ اس پیاری آواز کے لئے کان ترس جائیں گے۔

آخری اعلان نتائج ششماہی اور اساتذۂ کرام کو مختصر نصائح:

بروز جمعرات بتاریخ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۹ اپریل ۲۰۱۲ء بوقت صبح ۱۰ بجے کے قریب حضرت الاستاذ نے دورۂ حدیث کی کلاس میں اساتذۂ جامعہ وشاخہائے جامعہ کے سامنے نتائج ششماہی کا اعلان فرمایا، دورانِ اعلان مختلف باتوں کی طرف مختصراً اشارے فرمائے: مثلاً جب درجہ سابعہ کے نتائج کا اعلان فرمانے لگے تو جب درجہ سابعہ ۱/ اور سابعہ گلشن عمرؓ کے طلبۂ کرام کی تعداد ذکر فرمائی اور پھر جامعہ کے درجہ سابعہ کے طلبہ کی تعداد ذکر فرمائی تو فرمایا کہ: تینوں جگہ اتنی تعداد ہے تو اگلے سال دورۂ حدیث کے داخلے کے لئے بڑا المیہ ہوگا (شاید اس المیہ میں ایک دوسرے عظیم المیہ کی طرف اشارہ تھا) اسی طرح فرمایا کہ: جو اساتذۂ کرام وفاق المدارس کے امتحانات میں نگرانی کے فرائض انجام دیتے ہیں، وہ بحسن وخوبی اس کام کو ادا کریں۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ: بعض ساتھی پرچوں کی چیکنگ کے لئے جاتے ہیں، وہ بھی بھرپور طریقے سے اس کام کو شوق ومحنت سے سرانجام دیں۔ نتائج کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب کا بیان ہوا اور اکثر حضرات نے محسوس کیا کہ استاذ جی اکثر اساتذۂ کرام سے گلے ملے، شاید کہ یہ آخری اور الوداعی پروگرام اور نشست تھی، بقول شاعر:

وصل کے دن بہت اداس تھا میں
آنے والی جدائی کا غم تھا

بقول فانی:

وصال ودید پر فانی نہ اِترا
یہ عرصہ مختصر ہے سوچ لینا

اسی طرح یہ استاذ محترم کی اساتذۂ کرام کی محفل ومجلس میں آخری گفتگو اور باتیں تھیں اور پھر اس سے اگلے دن وہ جانب ملک عدم روانہ ہوگئے:

ساری عمر ان آنکھوں کو وہ سپنا یاد رہا
صدیاں بیت گئیں وہ لمحہ یاد رہا
نہ جانے کونسی ایسی بات تھی اس میں
ساری محفل بھول گئے وہ چہرا یاد رہا

یہ چند اشعار استاذِ محترم رحمہ اللہ کی نذر کرتا ہوں:

بچھڑے ہوئے لوگوں کی صدا کیوں نہیں آتی
اب روزنِ زنداں سے ہوا کیوں نہیں آتی
اے موسم خوشبو کی طرح روٹھنے والے!
پیغام تیرا لے کے صبا کیوں نہیں آتی
سجالیا اسے دل کے نگار خانے میں
وہ ایک زخم جو کافی ہے عمر بھر کے لئے

حضرت الاستاذ سے شرفِ تلمذ

حضرت الاستاذ سے ہمیں درجۂ رابعہ ۲۰۰۰ء میں نحو کی مایہ ناز مشہور کتاب ’’شرح جامی‘‘ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، اگر چہ قدوری حصہ اول کے بھی کچھ ابواب ان سے پڑھے، لیکن باقاعدہ کتاب جو ان سے پڑھی وہ شرح جامی تھی۔ دارالتصنیف کے سامنے والی درسگاہ درجہ رابعہ کی تھی، دس بجے وقفہ کے بعد متصل حضرت الاستاذ کا گھنٹہ شروع ہوجاتا، شرح جامی کی عبارات، دخل مقدر اور اس کے جوابات اور علماء نحو کے مسالک آپ کو فاتحہ کی طرح ازبر تھے، دورانِ سبق عربی، فارسی، اردو، پشتو کے بہترین اشعار بطورِ استشہاد پیش فرماتے۔

۲۳ شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ بمطابق جنوری ۲۰۰۰ء بروز پیر سبق کا پہلا دن تھا اور تعلیمی سال کی ابتدأ تھی، استاذ محترم تشریف لائے تو پہلے ہی دن کچھ طلبہ ذرا تاخیر سے پہنچے جو شاید وضوء وغیرہ بنانے گئے تھے، حضرت الاستاذ نے ان کو نصیحت فرمائی اور یہ شعر سنایا:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

اسی طرح حضرت الاستاذ سے درجہ سادسہ ۲۰۰۲ء میں جلالین حصہ اول، تیسرے سپارے کا ابتدائی پاؤ پارہ پڑھنے کی سعادت ملی، چونکہ حضرت الاستاذ مولانا فضل محمد یوسف زئی مدظلہ پاؤں کے ناخن کی تکلیف کے سبب آرام فرما رہے تھے تو شیخ عطاء شہید رحمہ اللہ نے چند دن تک آکر درسِ جلالین دیا۔

اسی طرح درجہ سابعہ ۲۰۰۳ء میں باقاعدہ حضرت شیخ عطاء علیہ الرحمۃ سے علم حدیث کی مشہور زمانہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح حصہ اول پڑھنے کی توفیق نصیب ہوئی، اور یہ استاذِ محترم سے آخری کتاب تھی جو ہم نے پڑھی، اللہ تعالیٰ حضرت الشیخ کے درجات بلند فرمائے، اور ان کے جانے سے جو خلاء پیدا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ غیب کے خزانے سے پُر فرمادے، آج ان کی شہادت کو ایک مہینہ مکمل ہوا:

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا